OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 1 (January-March 2021)

ابن الملقن کی "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" کے مباحثِ علوم الحدیث کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Discussions of *Ḥadīth* Sciences from *"Al-Tawzīh Li Sharḥ al-Jami' al-Saḥīḥ"* by *Ibn al-Mulaqqin*

Hafiz Ihsan Ullah

Doctoral Candidate, Institute of Islamic Studies, Punjab University, Lahore

Prof. Dr. Muhammad Hammad Lakhvi

Dean, Faculty of Islamic Studies, Punjab University Lahore

Abstract

The present article presents an analytical study of the discussions of *Ḥadīth* Sciences from *"Al-Tawzīh Li Sharḥ al-Jami' al-Saḥīḥ"* by I *Ibn al-Mulaqqin*. *Ibn al-Mulaqqin* has combined various sciences and arts in al-*Tawzīh*. In particular, his discussions regarding the principle of Hadith are of great importance. In the case of al-*Tawzīh*, where he has discussed about Sahih Bukhari, he has also recorded the important discussions of 'Usūl al-Ḥadīth. Apart from this, discussions on the principles of Hadith are scattered at various places throughout the al-*Tawzīh*. The principles of Hadith mentioned by Ibn al-Mulaqqin are of a very high standard and are in agreement with the masses of scholars. There are some debates in which there is room for disagreement. Which are mentioned in this article.

Key Words: *Ibn al-Mulaqqin*, Discussions, *Al-Tawzīh Li Sharḥ al-Jami' al-Saḥīḥ"*

تمہید

حدیث لغوی اعتبار سے "نئی چیز اور گفتگو" کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں کلام کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے فرمایا: فلیاتوا بحدیث مثلہ [1]۔ اسی طرح امام جوھری "صحاح" میں رقمطراز ہیں: "الحدیث الکلام قلیلہ وکثیرہ" حدیث کے معنی کلام کے ہیں خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔[2] اصطلاح میں "وہ اقوال، افعال، تقریر، وصف خَلقی اور وصف خُلقی جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

CC BY

وسلم کی طرف ہو، اسے حدیث کہتے ہیں۔ علم حدیث سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اقوال، افعال اور احوال کی صحت وضعف کو پہچانا جاتا ہے۔ علامہ سخاوی "فتح المغیث" میں فرماتے ہیں:" ما اضیف الی النبی قولا او فعلا او تقریرا او صفة"[3] حدیث سے مراد نبی کریم کی طرف منسوب قول، فعل، تقریر اور صفت ہے۔ ایک تعریف یوں بھی کی گئی ہے :" **علم الحدیث علم بقوانین یعرف بها أحوال السند والمتن وموضوعه السند، والمتن وغایته معرفة الصحیح من غیره**"[4] "علم حدیث ان قوانین کو جاننے کا نام ہے جس کے ذریعے سند اور متن کے احوال کی معرفت ہوتی ہے۔ اس کا موضوع سند اور متن ہے۔ اس کا مقصد صحیح حدیث کو دیگر سے پہچاننا ہے۔

کسی بھی علم پر مکمل عبور حاصل کرنے کیلیے ضروری ہے کہ اس کے بنیادی اصول وضوابط، قواعد اور قوانین کی معرفت اور واقفیت حاصل کی جائے۔ اصول وقواعد پر عبور حاصل کیے بغیر انسان اس فن اور علم میں رسوخ اور وثوق سے عاری رہتا ہے۔ اصول اور قواعد کی مثال بنیاد اور جڑ کی سی ہے، جیسے جڑ اور بنیاد کی پائیداری کے بنا کوئی درخت اور عمارت قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح اصولوں پر کمال مہارت حاصل کیے بغیر کسی علم میں رسوخ ناممکن ہوتا ہے۔ حدیث رسول پر مہارت تامہ کیلیے اصول حدیث کو جاننا اور انکی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ حدیث کی روایت وکتابت میں آغاز ہی سے احتیاط برتی گئی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صحابہ کو کتابت حدیث کی اجازت دی جو روایت اور آیت قرآنی میں فرق کر سکتے تھے۔ بہت سے صحابہ نے اپنے طور پر مختلف صحائف لکھے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنھم نے بھی رواۃ حدیث کو پرکھا اور کئی مواقع پر حفاظت حدیث کی خاطر تائیدی روایات اور گواہان کو طلب کیا۔ پہلی صدی کے وسط ہی میں اہل علم نے اخذ روایت کے سلسلہ میں بنیادی اصول وضوابط پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ آغاز میں ہم ہر کسی کی روایات لے لیا کرتے تھے بعد ازاں ہم نے ہر قسم کے رواۃ کی رایات کو لینا چھوڑ دیا اور صرف ان رواۃ کی روایات لینا شروع کیں جو ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔ امام ابن سیرین، محمد بن شھاب الزھری، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینۃ کی روایات میں روایات سے متعلق بنیادی اصطلاحات کا استعمال شروع ہوا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے دور میں اس فن سے متعلق مزید تنقیح اور تہذیب ہوئی۔ علی بن المدینی، یحیی بن معین، عبد اللہ بن المبارک اور یحیی بن سعید الانصاری کے اقوال اس فن کے اصول وقواعد میں اولین حیثیت کے حامل ہیں۔

امام محمد بن ادریس الشافعی نے "الرسالہ" لکھ کر باقاعدہ اس فن سے متعلق بعض اصولی مباحث کو موضوع بحث بنایا۔ جس میں خبر واحد اور دیگر موضوعات کو ذکر کیا۔ اصول حدیث پر اولین کتب میں امام رامھرمزی کی کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی "کا نام لیا جاتا ہے۔ تاہم محدثین نے اصول حدیث پر ہر جہت سے خوب کام کیا۔ جو کہ بحر بے کنار ہے۔ محدثین کا اصول سے متعلق کام کئی انواع واقسام پر پھیلا ہے۔ جن میں سے ایک نوع "کتب شروح الحدیث" ہیں۔ بہت سے محدثین جب شروح الحدیث کو لکھتے تو ان کے ضمن میں ہر قسم کی مباحث پر سیر حاصل گفتگو کرتے۔ چاہے انکا تعلق علوم القرآن سے ہو، اصول الحدیث سے ہو یا فقہ کے کسی گوشہ سے ہو۔ محدثین کی شروح الحدیث کی کتب مختلف علوم کے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہیں۔ صحیح بخاری کی اولین شرح امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی[م388ھ] کی "اعلام الحدیث فی شرح صحیح البخاری" ہے، جس میں بہت سے علوم وفنون کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شروحات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ان تمام شروحات میں احادیث کی شرح کے ساتھ ساتھ دیگر تمام علوم سے متعلق اصولی مباحث موجود ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی امام عمر بن علی ابن الملقن[م

804ھ] کی صحیح بخاری کی شرح "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" میں موجود اصولی مباحث ہیں۔ امام ابن الملقن کی یہ کتاب 2008ء میں دار النوادر دمشق سے 36 جلدوں میں طبع ہو کر منصہ شہود پر آئی۔ جو کہ صحیح بخاری کی کہ ایک بہترین شرح شمار کی جاتی ہے۔ امام ابن الملقن نے اس کتاب میں صحیح بخاری کی شرح اور وضاحت کے ساتھ ساتھ بہت سے علوم وفنون سے متعلق قیمتی مواد یکجا کیا ہے۔ اس آرٹیکل میں ہم التوضیح میں ذکر کردہ علوم الحدیث سے متعلقہ بعض مباحث کا تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے۔ امام ابن الملقن نے التوضیح کے آغاز میں نہایت عمدہ مقدمہ لکھا ہے جس میں انہوں نے صحیح بخاری سے متعلقہ نہایت مفید مباحث ذکر کی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے علوم الحدیث سے متعلق بہت ساری مباحث بھی مقدمہ میں ذکر کی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے دوران شرح بہت سارے مقامات پر علوم الحدیث سے متعلقہ مباحث کا تذکرہ کیا ہے، امام ابن الملقن کی بیان کردہ علوم الحدیث کی اکثر مباحث جمہور اہل علم کے موافق ہیں۔ چند ایک مباحث ایسی ہیں جن میں بعض اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔ ذیل میں ان مباحث کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ضعیف روایت پر عمل کا حکم

ضعیف روایت کی تعریف سے متعلق امام ابن الصلاح [م 643ھ] مقدمہ میں فرماتے ہیں: "كل حديث لم يجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن -- فهو حديث ضعيف۔"[5] ہر وہ حدیث جس میں صحیح اور حسن حدیث کی صفات جمع نہ ہوں وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ ضعیف حدیث کے حجت ہونے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں اہل علم کی تین آراء ہیں۔ بعض اہل علم مطلق طور پر حجت مانتے ہیں، بعض مطلق طور پر حجت نہیں مانتے اور بعض اہل علم فضائل میں حجت مانتے ہیں عقائد اور اصول میں حجت تسلیم نہیں کرتے۔ ذیل میں انکی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

1۔ ضعیف حدیث کو مطلقاً حجت کہنے والوں میں امام احمد، ابو داود اور ابن الجوزی کا نام لیا جاتا ہے۔

امام سخاوی سنن ابی داود کے متعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "يخرج الضعيف إذا لم يجد في الباب غيره، وهو أقوى عنده من رأي الرجال"[6] امام ابو داود ضعیف حدیث بیان کرتے ہیں جب باب میں اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں ہوتی، اور یہ انکے ہاں رجال کی رائے سے زیادہ قوی ہے۔ امام احمد سے متعلق بیان کرتے ہیں: فقد روينا من طريق عبد الله بن أحمد بالإسناد الصحيح إليه. قال: سمعت أبي يقول: لا تكاد ترى أحدا ينظر في الرأي إلا وفي قلبه دغل، والحديث الضعيف أحب إلي من الرأي.[7] ہم نے عبد اللہ بن احمد سے صحیح سند سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے: تو کسی کو نہیں دیکھے گا جو رائے کو دیکھتا ہو مگر اس کے دل میں خرابی ہو گی۔ ضعیف حدیث مجھے رائے سے زیادہ محبوب ہے۔ اسی کی مثل قول امام ابن الجوزی سے بھی منقول ہے۔[8] امام ابن رجب حنبلی امام احمد کے اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "كان الامام احمد يحتج بالحديث الضعيف الذى لم يرد خلافه ومراده بالضعيف قريب من مراد الترمذى بالحسن ۔ "[9] امام احمد اس ضعیف روایت سے حجت لیتے تھے جس کے خلاف کوئی روایت وارد نہیں ہوتی تھی، ان کی ضعیف سے مراد وہی ہے جو امام ترمذی کی حسن سے مراد ہے۔ امام ابن القیم اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

> "الأخذ بالمرسل والحديث الضعيف، إذا لم يكن في الباب شيء يدفعه، وهو الذي رجحه على القياس، وليس المراد بالضعيف عنده الباطل ولا المنكر ولا ما في روايته

متهم بحيث لا يسوغ الذهاب إليه فالعمل به؛ بل الحديث الضعيف عنده قسيم الصحيح وقسم من أقسام الحسن، ولم يكن يقسم الحديث إلى صحيح وحسن وضعيف، بل إلى صحيح وضعيف، وللضعيف عنده مراتب، فإذا لم يجد في الباب أثرا يدفعه ولا قول صاحب، ولا إجماع على خلافه كان العمل به عنده أولى من القياس"[10]

مرسل اور ضعیف حدیث سے اس وقت اخذ کرنا ہے جب اس باب میں کوئی اور روایت نہ ہو اس کو انہوں نے قیاس پر ترجیح دی ہے۔ ضعیف سے انکی مراد باطل، منکر اور متہم کی روایت مراد نہیں ہے کہ اس کی طرف جانا اور ان پر عمل کرنا جائز نہیں، انکے ہاں صحیح کے متضاد ضعیف نہیں ہے بلکہ حسن کی ایک قسم ہے۔ وہ حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف پر تقسیم نہیں کرتے بلکہ صحیح اور ضعیف پر تقسیم کرتے ہیں اور ضعیف کے انکے ہاں مختلف مراتب ہیں۔ جب اس باب میں کوئی اور اس کے معارض اثر مروی نہ ہو اور کسی صحابی کا قول اور اجماع بھی اس کے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا قیاس سے بہتر ہے۔

2۔ ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً جائز نہیں۔ اصول میں اور نہ ہی فضائل میں

امام یحیی بن معین، بخاری، مسلم اور ابن حزم اور بہت سارے محدثین کا یہ موقف ہے۔ امام مسلم مقدمہ صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :أن الواجب على كل أحد عرف التمييز بين صحيح الروايات وسقيمها، وثقات الناقلين لها من المتهمين، أن لا يروي منها إلا ما عرف صحة مخارجه[11] روایات میں سے صحیح اور سقیم کی پہچان کرنا اور ثقات اور متہم راویوں کو الگ کرنا ہر کسی پر واجب ہے۔ صرف وہی بیان کیا جائے جس کے مخرج کی صحت معروف ہو۔ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں: امام مسلم نے جو مقدمہ میں بات ذکر کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی کتاب مقتضی ہے کہ وہ ترغیب میں بھی انہی سے روایات بیان کریں گے جن سے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔[12] امام ترمذی فرماتے ہیں: ہر وہ روایت جو متہم اور غفلت اور کثرت خطا کی وجہ سے ضعیف راوی سے بیان کی جائے اور وہ حدیث صرف انہی سے مروی ہو تو اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔[13] عبد الرحمن بن ابی حاتم فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد اور ابوزرعہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مراسیل سے حجت نہیں لی جائے گی اور حجت صرف صحیح متصل سندوں کے ساتھ ہو گی۔ میرا بھی یہی موقف ہے۔[14] ابن تیمیہ فرماتے ہیں :ولم يقل أحد من الأئمة إنه يجوز أن يجعل الشيء واجبا أو مستحبا بحديث ضعيف ومن قال هذا فقد خالف الإجماع[15] ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کے ساتھ کوئی چیز واجب اور مستحب ہوتی ہے، جو کوئی یہ کہے تو وہ اجماع کی مخالفت کرتا ہے۔

3۔ ضعیف روایت فضائل میں حجت ہے احکام میں نہیں

عبد الرحمن بن مھدی کہتے ہیں: جب ہم ثواب وعقاب اور فضائل اعمال میں بیان کرتے ہیں تو ہم اسانید اور رجال میں تساھل کرتے ہیں اور جب ہم حلال و حرام اور احکام میں بیان کرتے ہیں تو ہم راویوں کے بارے شدت اختیار کرتے ہیں۔[16] سفیان ثوری فرماتے ہیں:سمعت سفيان الثوري، يقول:خذوا هذه الرغائب وهذه الفضائل من المشيخة فأما الحلال والحرام فلا تأخذوه إلا عمن يعرف الزيادة فيه من النقص[17] فضائل میں شیوخ سے روایت لے لو۔

حلال و حرام میں صرف اسی سے روایت لو جس کی کمی و زیادتی سے تم واقف ہو۔ خطیب بغدادی نے "الکفایۃ فی علم الروایۃ" میں باب قائم کیا ہے:"باب التشدد في أحاديث الأحكام , والتجوز في فضائل الأعمال قد ورد عن غير واحد من السلف أنه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم إلا عمن كان بريئا من التهمة , بعيدا من الظنة , وأما أحاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلك فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ" کے تحت مختلف ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں: امام احمد فرماتے ہیں: رقاق کی احادیث میں تساھل کا احتمال ہے، یہاں تک کہ اس میں کوئی اور حکم وارد ہو۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: تم بقیہ سے سال کے بارے روایت نہ لو، ثواب کے بارے اس کی روایت لے لو۔[18] امام حاکم نے ابوزکریا العنبری سے بیان کیا ہے کہ خبر جب وارد ہو اور وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کرتی ہو اور کسی حکم کو واجب نہ کرتی ہو اور وہ ترغیب و ترھیب کے بارے میں ہو تو آپ اس سے چشم پوشی کریں اور اسکے راویوں کے بارے تساھل اختیار کریں۔[19] ابن عبد البر فرماتے ہیں: فضائل کی احادیث میں ہم ثقہ راویوں کے محتاج نہیں۔[20] امام نووی فرماتے ہیں :يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا[21] فضائل اور ترغیب و ترھیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے، جب تک وہ موضوع نہ ہو۔ وقد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال.[22] فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے عمل کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام ابن الملقن کا بھی یہی موقف ہے، فرماتے ہیں: احکام کے بارے میں صرف صحیح یا حسن روایت پر عمل کیا جائے گا اور احکام انہیں روایات سے ثابت ہوں گے۔ ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز نہیں، سوائے ان احادیث کے جو عقائد اور احکام سے متعلق نہ ہوں بلکہ فضائل، اعمال اور وعظ و نصیحت کے متعلق ہوں، ان پر عمل جائز ہے۔[23]

ضعیف پر عمل کی شرائط

جمال الدین قاسمی [م 1332ھ] نے قواعد التحدیث میں مختلف اہل علم سے ضعیف روایت پر عمل کرنے سے متعلق مختلف شروط ذکر کی ہیں، فرمایا:قال السيوطي في التدريب: "لم يذكر ابن الصلاح والنووي لقبوله سوى هذا الشرط كونه في الفضائل ونحوها".وذكر الحافظ ابن حجر له ثلاثة: شروط أحدها أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين، والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه؛ نقل العلائي الاتفاق عليه؛ الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به؛ الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط.وقال الزركشي: "الضعيف مردود ما لم يقتض ترغيبًا، أو ترهيبًا، أو تتعدد طرقه؛ ولم يكن المتابع منحطًّا عنه" قال السيوطي: "ويعمل بالضعيف أيضًا في الأحكام إذا كان فيه احتياط"[24] سیوطی "تدریب الراوی" میں فرماتے ہیں: ابن الصلاح اور نووی نے ضعیف حدیث کو قبول کرنے کی کوئی شرط قبول نہیں کی، سوائے اس کے کہ وہ فضائل وغیرہ سے متعلق ہو۔ حافظ ابن حجر نے انکی تین شرائط بیان کی ہیں:

1. ضعف شدید نہ ہو۔ اس سے کذاب راوی، متہم بالکذب اور فاحش الغلط راوی جو منفرد ہو وہ خارج ہو جاتا ہے۔ علائی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔
2. کسی معمول بہ اصل کے تحت مذکور ہو۔
3. عمل کے وقت احتیاط کا عقیدہ رکھا جائے، اسکے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔

زرکشی فرماتے ہیں: ضعیف مردود ہے، جب کہ وہ ترغیب وترھیب کی حامل نہ ہو یا اس کے متعدد طرق ہوں اور متابع اس سے کم درجہ نہ ہو۔ سیوطی فرماتے ہیں: ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا۔ جب اس میں احتیاط ہو۔

متابعت، شاھد اور اعتبار کی معرفت

امام ابن الملقن "التوضیح" کے مقدمہ میں متابعت، شاھد اور اعتبار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام بخاری صحیح بخاری میں اکثر متابعت ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً جب حماد عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ھریرۃ عن النبی کے طریق سے حدیث مروی ہے تو دیکھنا ہے کہ حماد کی ایوب سے بیان کرنے میں کسی ثقہ نے متابعت کی؟ یا ابوھریرۃ سے بیان کرنے میں ابن سیرین کی کسی ثقہ نے متابعت کی ہے؟ یا نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بیان کرنے میں ابوھریرۃ کے علاوہ کوئی اور صحابی ہیں؟ ان میں سے جو بھی معلوم ہو جائے تو اسکی طرف رجوع کیا جائے گا، متابعت کے تلاش کرنے کو "اعتبار" کہا جاتا ہے۔ اور متابعت یہ ہے کہ ایوب سے حماد کے علاوہ، ابن سیرین سے ایوب کے علاوہ، ابوھریرۃ سے ابن سیرین کے علاوہ یا نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ابوھریرۃ کے علاوہ کوئی اور بیان کرے تو یہ متابعت ہے۔ ان میں سے سب سے افضل آغاز میں متابعت ہے یعنی ایوب سے حماد کے علاوہ کوئی اور بیان کرے، پھر اسی ترتیب سے، اس کا سبب روایت کی تقویت ہے۔ اور متاخر راوی تقویت کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ شاھد یہ ہے کہ کوئی دوسری حدیث اس کے ہم معنی بیان کی جائے۔ متابعت کو شاھد کہہ دیا جاتا ہے جبکہ شاھد کو متابعت نہیں کہا جاتا۔ اور جب یہ کہا جائے کہ ابوھریرۃ، ابن سیرین، ایوب یا حماد اس روایت میں منفرد ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان تمام میں سے کسی کی بھی متابعت موجود نہیں ہے۔ متابعت اور استشھاد میں بعض ضعیف راویوں کی روایت بھی لے لی جاتی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایک جماعت ایسی ہے جن کو صرف متابعت اور شواھد کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے۔ تمام ضعیف راویوں کی متابعت درست نہیں ہوتی، اسی بناء پر امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ "فلان یعتبر بہ وفلان لایعتبر بہ" کہ فلاں راوی کی متابعت قبول ہوگی اور فلاں کی متابعت قبول نہیں ہوگی۔[25] امام ابن الملقن نے اگرچہ اس بحث میں امام ابن الصلاح کا نام ذکر نہیں کیا، لیکن اکثر بحث حافظ ابن الصلاح کے مقدمہ سے ہی منقول ہے۔ ابن الصلاح نے مقدمہ میں اسی مثال کے ساتھ اعتبار، متابعت اور شاھد کی وضاحت کی ہے۔ تاہم انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر راوی کی متابعت ہو تو اس کو متابعت تامہ کہا جاتا ہے اور اگر راوی کے شیخ کی متابعت کی جائے تو اس کو متابعت قاصرہ کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ متابعت قاصرہ کو شاھد بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: فمثال المتابعة أن يروي ذلك الحديث بعينه عن أيوب غير حماد، فهذه المتابعة التامة، فإن لم يروه أحد غيره عن أيوب لكن رواه بعضهم عن ابن سيرين أو عن أبي هريرة، أو رواه غير أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذلك قد يطلق عليه اسم المتابعة أيضا، لكن تقصر عن المتابعة الأولى بحسب بعدها منها، ويجوز أن يسمى ذلك بالشاهد أيضا.فإن لم يرو ذلك الحديث أصلا من وجه من الوجوه المذكورة، لكن روي حديث آخر بمعناه فذلك الشاهد من غير متابعة.[26] متابعت کی مثال تو یہ ہے بعینہ یہ حدیث ایوب سے حماد کے علاوہ کوئی اور بیان کرے، یہ متابعت تامہ ہے۔ اگر ایوب سے کوئی اور بیان نہیں کرتا لیکن ابن سیرین یا ابوھریرۃ سے یا رسول اللہ سے ابوھریرۃ کے علاوہ کوئی اور بیان کرتا ہے تو اس کی بھی متابعت کہہ دیا جاتا ہے لیکن یہ متابعت قاصرہ ہوتی ہے پہلی متابعت سے کم درجہ۔ اس کو شاھد بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اگر یہ حدیث مذکورہ سند سے مروی نہیں ہوتی، لیکن اس کے ہم معنی کوئی اور حدیث بیان کی جاتی ہے تو یہ متابعت نہیں، شاھد ہے۔ حافظ عراقی بھی اسی موقف کے قائل ہیں، الفیہ میں فرماتے

ہیں:الاعتبار سبرك الحديث هل ... شارك راو غيره فيما حملعن شيخه فإن يكن شورك من ... معتبر به فتابع، وإن شورك شيخه ففوق فكذا ... وقد يسمى شاهدا ثم إذامتن بمعناه أتى فالشاهد ... وما خلا عن كل ذا مفارد[27]اعتبار یہ ہے کہ آپ حدیث کے بارے تلاش کریں کہ کیا اس کو راوی کے شیخ سے بیان کرنے میں کوئی اور راوی شریک ہے۔ اگر کوئی معتبر راوی شریک ہو تو یہ تابع ہے اور اگر شراکت راوی کے شیخ میں یا اس سے اوپر ہے تو اس کا نام کبھی شاھد رکھا جاتا ہے۔ پھر اگر اس حدیث کے ہم معنی حدیث ہو تو اس کو شاھد کہتے ہیں۔ جو روایت ان سے خالی ہو اس کو فرد کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر "النکت" میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:وأن الشاهد أن يروى حديث آخر بمعناه يعني من حديث صحابي آخر وإن إطلاق الشاهد على غير ذلك قليل[28]شاھد یہ ہے کہ کوئی اور حدیث، کسی دوسرے صحابی سے اس کے ہم معنی بیان کی گئی ہو۔ شاھد کا اس کے علاوہ اطلاق قلیل ہے۔ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:وإن وجد متن يروى من حديث صحابي آخر يشبهه في اللفظ والمعنى، أو في المعنى فقط؛ فهو الشاهد.---وخص قوم المتابعة بما حصل باللفظ، سواء كان من رواية ذلك الصحابي أم لا، والشاهد بما حصل بالمعنى كذلك.وقد تطلق المتابعة على الشاهد وبالعكس۔ [29]اگر کوئی متن کسی دوسرے صحابی سے مروی ہو جو اس روایت کے لفظا یا معنی یا صرف معنی کے اعتبار سے مشابہ ہو تو یہ شاھد ہے۔۔۔ ایک قوم کے ہاں متابعت وہ ہے جو الفاظ سے حاصل ہو، چاہے وہ اسی صحابی کی روایت ہو یا نہ ہو اور شاھد وہ ہے جو معنوی طور پر [موافقت] حاصل ہو۔ متابعت اور شاھد کا ایک دوسرے پر اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے۔

الغرض امام ابن الملقن کے ہاں شاھد کا اطلاق صرف معنوی طور پر موافق حدیث پر کیا جاتا ہے۔ جبکہ امام ابن الصلاح اور عراقی کے ہاں معنوی طور پر مشابہ کے ساتھ متابعت قاصرہ کو بھی شاھد کہا جاتا ہے اور حافظ ابن حجر کے بقول شاھد میں لفظی یا معنوی موافقت کے ساتھ کسی دوسری صحابی سے منقول ہونے کی بھی شرط مذکور ہے۔ جس کو امام سخاوی نے یوں بیان کیا ہے:" وأن افتراقهما بالصحابي فقط، فكل ما جاء عن ذاك الصحابي فتابع أو عن غيره فشاهد."[30][متابعت اور شاھد میں] فرق صرف صحابی کے ساتھ ہے۔ ہر وہ روایت جو اسی صحابی سے ہو وہ تابع [متابعت] ہے اور جو اس صحابی کے علاوہ سے ہے وہ شاھد ہے۔ تاہم ان تمام نے ان اصطلاحات کے ایک دوسرے پر بولے جانے کا بھی ذکر کیا ہے۔

بدعتی راوی کی روایت کا حکم

امام ابن الملقن بدعتی راوی کی روایت کے بارے رقمطراز ہیں: اکثر علماء کا یہی مؤقف ہے کہ بدعتی راوی سے حجت لی جائے گی جب وہ اپنی بدعت کی طرف داعی نہ ہو لیکن جب وہ بدعت کا داعی ہو گا تو پھر اس کی روایت حجت نہ ہو گی۔ صحیح بخاری کے اصول اور شواھد میں ایسے کئی راویوں کی روایت موجود ہے جن کو اسی بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اپنی بدعت کے داعی نہ تھے۔ اگرچہ بعض ایسے راوی بھی ہیں جو داعی بھی تھے مثلاً عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی ارجاء کا داعی تھا، عمران بن حطان خارجیوں کا داعی تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاید ان کی دعوت ہلکی اور کم تھی۔[31] دین میں کسی نئے کام کی ایجاد کو بدعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہل علم نے راویان حدیث کی بدعات سے متعلق دو اقسام بیان کی ہیں: بدعت مکفرۃ اور بدعت مفسقہ۔ ان دونوں اقسام کے لحاظ سے راویوں کے احکام مختلف ہیں، ذیل میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

بدعت مکفرۃ: راوی کسی ایسے کام کا عقیدہ رکھنے والا ہو جو جمہور اہل علم کے ہاں کفر کے زمرہ میں آتا ہے۔ حافظ ابن حجر [م 852ھ] فتح الباری کے مقدمۃ ھدی الساری میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وأما البدعة فالموصوف بها أما أن يكون ممن يكفر بها أو يفسق فالمكفر بها لا بد أن يكون ذلك التكفير متفقا عليه من قواعد جميع الأئمة كما في غلاة الروافض من دعوى بعضهم حلول الإلهية في علي أو غيره أو الإيمان برجوعه إلى الدنيا قبل يوم القيامة أو غير ذلك وليس في الصحيح من حديث هؤلاء شيء البتة[32] **بدعت سے موصوف** راوی یا تو ایسی بدعت کا مرتکب ہو گا جس سے تکفیر کی جاتی ہے یا فاسق قرار دیا جاتا ہے۔ جس بدعت کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے اس کیلیے ضروری ہے کہ وہ تکفیر تمام امت کے قواعد کے مطابق متفق ہو جیسا کہ غالی روافض کا حضرت علی کے خدا ہونے کا دعوی یا قیامت سے قبل آپ کا دنیا کی واپس آنا یا اس کے علاوہ، صحیح بخاری میں اس طرح کے لوگوں کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ بدعت مکفرہ کے مرتکب راوی کے روایت کو قبول کرنے کے بارے اہل علم کی مختلف آراء ہیں: جمہور اہل علم کے ہاں بدعت مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت مطلقا قبول نہیں کی جائے گی۔ امام نووی نے اس پر اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے۔ جبکہ امام سیوطی نے ان کے اتفاق کے دعوی کی تردید کی ہے، فرمایا اس میں دیگر اقوال بھی موجود ہیں۔ ایک قول ہے کہ مطلقا قبول کی جائے گی اور ایک قول ہے کہ اگر وہ راوی جھوٹ کی حرمت کا عقیدہ رکھتا ہو تو اس کی روایت مقبول ہو گی۔[33] امام ابن کثیر فرماتے ہیں: المبتدع إن كفر ببدعته، فلا إشكال في رد روايته[34] بدعتی راوی کی اگر بدعت کی وجہ سے تکفیر کی جائے تو اس کی روایت رد کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔

بدعت مفسقہ: وہ بدعت جس کے مرتکب کو فاسق قرار دیا جائے

امام نووی ایسے راوی کی روایت کے متعلق اصول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومن لم يكفر قيل: لا يحتج مطلقا، وقيل: يحتج به إن لم يكن ممن يستحل الكذب في نصرة مذهبه، أو لأهل مذهبه، وحكي عن الشافعي. وقيل: يحتج به إن لم يكن داعية إلى بدعته، ولا يحتج به إن كان داعية، وهذا هو الأظهر الأعدل، وقول الكثير الأكثر، وضعف الأول باحتجاج صاحبي الصحيحين وغيرهما بكثير من المبتدعة غير الدعاة.[35] اور جس راوی کی تکفیر نہ کی جائے، ایک قول ہے کہ اس سے مطلق طور پر حجت نہ لی جائے، ایک قول ہے اس کی روایت سے حجت لی جائے اگر وہ اپنے مذہب کی نصرت اور اہل مذہب کیلیے جھوٹ بولنے کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ یہ موقف امام

شافعی سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک قول ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کا داعی نہیں ہے تو اس کی روایت حجت ہو گی۔ اور اگر وہ داعی ہے تو اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے اور ظاہر اور اعتدال پر مبنی قول ہے۔ پہلے قول کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ صحیحین کے مصنفین نے بہت سے بدعتی راوی جو غیر داعی تھے، ان سے روایت لی ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی بدعتی راوی کی قبول روایت سے متعلق یہ تین موقف ذکر کیے ہیں اور اس کے بعد تیسرے موقف کے بارے لکھا ہے:"وهذا المذهب الثالث أعدلها وأولاها"[36] یہ تیسرا موقف زیادہ بہتر اور عدل والا ہے۔ حافظ ابن حجر اس بدعت کی تفصیل اور ایسے راوی کی روایت کی حیثیت سے متعلق رقمطراز ہیں:والمفسق بها كبدع الخوارج والروافض الذين لا يغلون ذلك الغلو وغير هؤلاء من الطوائف المخالفين لأصول السنة خلافا ظاهرا لكنه مستند إلى تأويل ظاهرة سائغ فقد اختلف أهل السنة في قبول حديث من هذا سبيله إذا كان معروفا بالتحرز من الكذب مشهورا بالسلامه من خوارم المروأة موصوفا بالديانة والعبادة فقيل يقبل مطلقا وقيل يرد مطلقا والثالث التفصيل بين أن يكون داعية أو غير داعية فيقبل غير الداعيه ويرد حديث الداعيه وهذا المذهب هو الأعدل وصارت إليه طوائف من الأئمة وادعى بن حبان إجماع أهل النقل عليه لكن في دعوى ذلك نظر [37] وہ بدعت جس کے ذریعے فاسق قرار دیا جاتا ہے جیسے خوارج اور ان روافض کی بدعت جو ایسا غلو نہیں کرتے اور انکے علاوہ ان گروہوں کی جو سنت کے اصولوں کی ظاہری خلاف ورزی کرتے ہیں، لیکن ظاہری طور پر کسی تاویل کا سہارا لے رہے ہوتے ہیں، اہل سنت نے ان کی احادیث کو قبول کرنے میں اختلاف کیا ہے، جب ایسے راوی جھوٹ سے بچنے والے ہوں، بری عادات سے بری ہوں اور عبادت و دیانت سے موصوف ہوں، ایک قول یہ ہے کہ [انکی روایات] مطلق طور پر قبول کی جائیں گی، ایک قول ہے کہ مطلقا رد کی جائیں گی۔ تیسرا قول ہے کہ اس میں تفصیل ہے کہ اپنی بدعت کا داعی ہے یا داعی نہیں ہے، جو داعی نہ ہو اس کی روایت قبول ہو گی اور داعی کی حدیث رد کی جائے گی، یہ مذہب اعتدال پر مبنی ہے اور ائمہ کی ایک بڑی جماعت کا یہی موقف ہے۔ امام ابن حبان نے اس پر اہل نقل کا اجماع نقل کیا ہے، لیکن ان کا یہ دعوی محل نظر ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اگر بدعتی راوی جو اپنی بدعت کا داعی بھی ہے لیکن وہ روایت اس کی بدعت کی تایید میں نہیں ہے تو اس کی روایت کو ابو اسحاق جوزجانی قبول کرتے ہیں۔[38]

قول صحابی

امام ابن الملقن قول صحابی کی حجیت اور عدم حجیت کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب صحابی رسول کوئی بات اپنی طرف سے کہے اور دیگر اسکی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی وہ مشہور ہو تو وہ اجماع تو نہیں ہے لیکن کیا وہ حجت ہے؟ شارح فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں: قدیم یہ ہے کہ یہ بھی حجت ہے اور جدید [جو کہ صحیح ہے کہ] یہ حجت نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف ہو تو امام شافعی کا جدید مذہب یہ ہے کہ کسی ایک کی بھی تقلید نہیں کی جائے گی بلکہ دلیل دیکھی جائے گی اور قدیم مؤقف یہ تھا کہ یہ دو دلائل آپس میں متعارض آگئے ہیں جن میں کثرت تعداد کی بنا پر ترجیح دی جائے گی۔۔۔"[39] قول صحابی کی حجیت اور اختلاف کے وقت امام احمد بن حنبل کا طرز عمل بیان کرتے ہوئے امام ابن القیم فرماتے ہیں:الأصل الثاني من أصل فتاوى الإمام أحمد: ما أفتى به الصحابة، فإنه إذا وجد لبعضهم فتوى لا يعرف له مخالف منهم فيها لم يعدها إلى غيرها، ولم يقل إن ذلك إجماع، بل من ورعه في

العبارة يقول: لا أعلم شيئا يدفعه، أو نحو هذا۔۔۔ وإذا وجد الإمام أحمد هذا النوع عن الصحابة لم يقدم عليه عملا ولا رأيا ولا قياسا. امام احمد کے فتاوی میں دوسرا اصول: صحابہ کرام کے فتاوی جات، جب کسی صحابی کا کوئی فتوی ہو اور انکے مخالف بھی نہ ہو، اس کو اجماع نہیں کہا جائے گا، بلکہ احتیاط یہ ہے کہ کہا جائے: اس کے مخالف کوئی مجھے معلوم نہیں یا اس جیسی عبارت۔۔۔۔ جب امام احمد صحابہ کرام کے اس نوعیت کے فتاوی جات پاتے ہیں تو اس پر کسی اور عمل، رائے اور قیاس کو مقدم نہیں کرتے۔ الأصل الثالث من أصوله: إذا اختلف الصحابة تخير من أقوالهم ما كان أقربها إلى الكتاب والسنة، ولم يخرج عن أقوالهم، فإن لم يتبين له موافقة أحد الأقوال حكى الخلاف فيها ولم يجزم بقول.قال إسحاق بن إبراهيم بن هانئ في مسائله: قيل لأبي عبد الله: يكون الرجل في قومه فيسأل عن الشيء فيه اختلاف، قال: يفتي بما وافق الكتاب والسنة، وما لم يوافق الكتاب والسنة أمسك عنه[40] تیسرا اصول: جب صحابہ کرام کا اختلاف ہو تو اس میں سے کتاب وسنت سے قریب ترین قول کو اختیار کیا جائے گا، اور انکے اقوال سے باہر نہیں نکالا جائے گا۔ اگر کسی ایک قول کی [کتاب وسنت سے] موافقت واضح نہ ہو تو اختلاف کو بیان کیا جائے گا اور کسی ایک قول کو بالجزم بیان نہیں کیا جائے گا۔

اسحاق بن ابراہیم بن ھانی اپنے مسائل میں کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی سے اپنی قوم میں کسی ایسی چیز کے بارے سوال کیا جاتا ہے جس میں اختلاف ہوتا ہے؟ فرمایا: جو قول کتاب وسنت سے موافق ہو اس کے مطابق فتوی دے اور جو کتاب وسنت سے موافق نہیں ہے اس سے رک جائے۔ بعض اہل علم نے قول صحابی کی حجیت اور عدم حجیت میں تفصیل بیان کی ہے، جو کہ حسب ذیل ہے:

1۔ صحابی کا وہ قول جس میں رائے کا احتمال نہ ہو

کسی بھی صحابی کا وہ قول جس میں رائے اور اجتہاد کا احتمال نہ ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہو گا، حجت ہو گا اور اس سے دلیل لی جائے گی۔ لیکن اس قول کو یہ کہنا درست نہیں کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا ہے۔ وہ روایت بالمعنی کے حکم میں ہو گا۔[41]

2۔ صحابی کا وہ قول جس میں دیگر صحابہ کا اختلاف ہو

جب صحابہ کرام آپس میں کسی مسئلہ میں اختلاف کریں تو ان میں بعض کا بعض پر قول حجت نہیں ہو گا۔ مجتہد کیلیے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا بھی جائز نہیں، بلکہ ان میں دلیل کی بنا پر ترجیح دینا لازم ہے۔[42] اس کے ساتھ ساتھ ان اقوال سے خروج بھی درست نہیں۔ بعض اہل علم کے ہاں ان میں کثرت اور امامت میں متقدم کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔[43] جبکہ بعض اہل علم صرف امامت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے قائل ہیں۔[44] امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:"وإن تنازعوا رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول، ولم يكن قول بعضهم حجة مع مخالفة بعضهم له باتفاق العلماء"[45] اگر ان کا آپس میں تنازع ہو تو ان کے جھگڑے کو اللہ اور رسول کی لوٹایا جائے گا۔ بعض کی مخالفت کی وجہ سے ان میں سے بعض کا قول حجت نہیں ہو گا، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

3۔ صحابی کا وہ قول جو معروف ہو جائے اور اس کی مخالفت نہ ہو

کسی صحابی کا وہ قول جو معروف ومشہور ہو جائے اور اس کی مخالفت بھی نہ کی گئی ہو تو اکثر علماء کا موقف ہے کہ وہ حجت ہو گا اور اجماع تصور کیا جائے گا۔[46] ابن تیمیہ اس حوالے سے فرماتے ہیں:"وأما أقوال الصحابة فإن انتشرت ولم تنكر في

زمانهم فهي حجة عند جماهير العلماء"[47] صحابہ کرام کے اقوال جب منتشر ہو جائیں اور ان کے زمانہ میں اس کا انکار بھی نہ کیا جائے تو وہ جمہور اہل علم کے ہاں حجت ہوں گے۔

4۔ کسی صحابی کا غیر معروف قول

کسی صحابی کا وہ قول جس کی کسی نے مخالفت بھی نہ کی ہو، وہ قول معروف بھی نہ ہو یا ہمیں معلوم نہ ہو کہ وہ قول مشہور ہوا تھا یا نہیں؟۔ اس قول میں رائے کا بھی احتمال موجود ہو تو جمہور اہل علم کے ہاں وہ بھی حجت ہو گا، جبکہ متکلمین کے ہاں وہ حجت نہیں ہو گا۔[48] امام ابن تیمیہ رقمطراز ہیں: اگر ان میں سے کسی نے کوئی قول کہا اور دیگر نے اس سے اختلاف نہیں کیا اور وہ معروف بھی نہیں ہوا۔ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم اس سے حجت لیتے ہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل [مشہور قول کے مطابق] امام شافعی کے دو اقوال میں سے بھی ایک قول یہی ہے۔[49]

صحابی کی تعریف

امام ابن الملقن صحابی کی تعریف بیان کرتے ہوئے "التوضیح" کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں: صحابی اور تابعی کی معرفت حاصل ہونا ضروری کیونکہ اس سے ہی اتصال اور ارسال کا علم ہوتا ہے۔ صحابی وہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، اگرچہ ایک لمحہ کیلئے ہو اور اگرچہ آپ کی صحبت میں نہ رہا ہو۔ تابعی وہ ہے جس نے صحابی کو دیکھا ہو۔[50] امام ابن الملقن کی ذکر کردہ تعریف میں "رویت" دیکھنے کا ذکر ہے۔ جبکہ بعض دیگر ائمہ نے اس میں "ملاقات" "صحبت" اور دیگر الفاظ کا ذکر بھی کیا ہے، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے: امام ابن الصلاح مقدمہ میں تعریف صحابی سے متعلق رقمطراز ہیں: اختلف أهل العلم في أن الصحابي من؟ فالمعروف من طريقة أهل الحديث أن كل مسلم رأى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فهو من الصحابة. قال البخاري في صحيحه: " من صحب النبي - صلى الله عليه وسلم - أو رآه من المسلمين، فهو من أصحابه. وبلغنا عن أبي المظفر السمعاني المروزي أنه قال: " أصحاب الحديث يطلقون اسم الصحابة على كل من روى عنه حديثا أو كلمة، ويتوسعون حتى يعدون من رآه رؤية من الصحابة، وهذا لشرف منزلة النبي - صلى الله عليه وسلم - أعطوا كل من رآه حكم الصحبة ".[51] اہل علم کا اختلاف ہے کہ صحابی کون ہیں؟ محدثین کے طریقہ سے معروف ہے کہ "ہر وہ مسلمان جس نے رسول اللہ کو دیکھا ہو وہ صحابہ میں سے ہے۔" امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں: "مسلمانوں میں سے وہ شخص جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو یا آپ کو دیکھا ہو وہ صحابہ میں سے ہے۔ ہمیں ابو المظفر السمعانی سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ فرماتے تھے "محدثین صحابہ کا نام ہر اس شخص پر بولتے تھے جس نے آپ سے کوئی حدیث یا کوئی کلمہ بیان کیا ہو، اور وہ وسعت اختیار کرتے ہوئے اس کو بھی صحابہ میں سے شمار کرتے تھے جس نے آپ کو دیکھا ہو۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند رتبے کی وجہ سے ہے۔ جس نے بھی آپ کو دیکھا ہو تم اسے صحابی کا حکم دے دو۔ امام نووی صحابی کی تعریف ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: فالمعروف عند المحدثين أنه كل مسلم رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم.وعن أصحاب الأصول أو بعضهم أنه من طالت مجالسته على طريق التبع. وعن سعيد بن المسيب أنه لا يعد صحابيا إلا من أقام مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سنة أو سنتين أو غزا معه غزوة أو غزوتين؛ فإن صح عنه فضعيف؛ فإن مقتضاه أن لا يعد جرير البجلي وشبهه صحابيا، ولا خلاف أنهم صحابة.[52]

محدثین کے ہاں معروف یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جس نے آپ کو دیکھا ہو۔ اصولیوں کے ہاں وہ پیروکار جو لمبا عرصہ مجلس میں رہے۔[اسے صحابی کہتے ہیں]۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ وہ صحابی اس کو شمار کرتے تھے جس نے رسول اللہ کے ساتھ ایک سال یا دو سال قیام کیا ہو یا آپ کے ساتھ ایک یا دو غزوات میں شرکت کی ہو۔ اگر یہ ان [سعید بن مسیب] سے صحیح ہے تو یہ کمزور موقف ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہو گا کہ جریر البجلی اور ان جیسوں کو صحابی شمار نہ کیا جائے، حالانکہ انکے صحابہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:والصحابي: من رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم في حال إسلام الراوي، وإن لم تطل صحبته له، وإن لم يرو عنه شيئاً.هذا قول جمهور العلماء، خلفاً وسلفاً.[53]وہ راوی جس نے اسلام کی حالت میں رسول اللہ کو دیکھا ہو، اگرچہ اس کی صحبت طویل نہ ہو اور اس نے آپ سے کچھ روایت بھی نہ کیا ہو۔ یہ خلف اور سلف میں جمہور کا موقف ہے۔ حافظ ابن حجر الاصابۃ کے مقدمہ میں صحابی کی تعریف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:وأصحّ ما وقفت عليه من ذلك أن الصحابيّ: من لقي النبيّ صلّى اللَّه عليه وسلم مؤمنا به، ومات على الإسلام، فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت، ومن روى عنه أو لم يرو، ومن غزا معه أو لم يغز، ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه، ومن لم يره لعارض كالعمى.[54]صحابی کی سب سے صحیح تعریف جس پر میں مطلع ہوا ہوں کہ: جس نے آپ نے ملاقات کی ہو آپ پر ایمان لاتے ہوئے اور اسلام پر اس کی وفات ہوئی ہو۔ "جس نے آپ سے ملاقات کی ہو" اس میں داخل ہے جس کی آپ کے ساتھ مجلس طویل ہو یا قصیر، جس نے آپ سے بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو، جس نے آپ کے ساتھ غزوہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، جس نے آپ کو دیکھا ہو اگرچہ آپ کی مجلس میں شریک نہ ہوا ہو اور جس نے آپ کو کسی عارضہ کی وجہ سے نہ دیکھا ہو جیسے نابینے صحابی۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے اس تعریف کی مکمل تشریح کی ہے اور اس تعریف کے "جامع مانع" ہونے کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:وهذا التعريف مبنيّ على الأصح المختار عند المحققين، كالبخاري، وشيخه أحمد ابن حنبل، ومن تبعهما[55]

یہ تعریف محقق اہل علم جیسے امام بخاری اور انکے استاد امام احمد بن حنبل اور انکے پیروکاروں کے ہاں پسندیدہ اور صحیح ترین ہے۔

امام سیوطی نووی کی تعریف پر وارد ہونے والے مختلف اعتراضات کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:فالأولى أن يقال: من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مسلما ومات على إسلامه.[56]زیادہ بہتر ہے کہ کہا جائے کہ: جس نے اسلام کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔ لہذا حافظ ابن حجر اور امام جلال الدین سیوطی کی بیان کردہ تعریف ہی جامع مانع معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ بحث

امام ابن الملقن نے التوضیح میں مختلف علوم وفنون کو یکجا کیا ہے۔ بالخصوص اصول حدیث سے متعلق ان کی مباحث خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ التوضیح کے مقدمہ میں جہاں انہوں نے صحیح بخاری سے متعلق گفتگو کی ہے وہاں انہوں نے اصول حدیث کی اہم مباحث کو بھی قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ پوری التوضیح میں مختلف مقامات پر علم اصول حدیث پر مباحث منتشر ہیں۔ ابن الملقن کی ذکر کردہ اصول حدیث کی مباحث نہایت اعلی معیار کی اور جمہور اہل علم سے موافق ہیں۔ چند ایک مباحث ایسی ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ جن کا تذکرہ اس آرٹیکل میں کیا گیا ہے۔

References

[1] Al-Toor, 52: 34
[2] Al- Jowhri, Ismail bin Hammad, Al-Sihah Taj-ul- Lughat wa Sihah –ul- Arabiyah, (Berut: Dar ul Ilm llmlayin,1987 AD) 1:278.
[3] Al-Sakhavi, Muhammad bin Abdu l Rehman, Fath ul Mughes (Misr, Maktaba al sunah,2003 AD) 1:22
[4] Jamal ud Din Qasmi, Qawaed Al Tahdis fi Fanoni Mustalah ul Hadith, 75.
[5] Ibn Ul Salah, Usman bin Abd Ur Rehman, Maarifat Anwae Uloom el Hadith, [Suriya: Dar ul fikr , 1986 AD] 41
[6] Sakhavi, Fath ul Mughes, 1:104
[7] Sakhavi, Fath ul Mughes,1:109
[8] Sakhavi, Fath ul Mughes,1:110
[9] Ibn e Rajab, Abd Ul Rehman Bin Ahmad, Sharh Ilal tirmazi (Riyadh: Maktab Rushd)1: 210
[10] Ibn Qayyim, Muhammad bin Abu Bakar, Ielam Ul Muwaqeen An Rab El Aalmeen, [Berut: Dar ul kutab ilmiyah, 1991 AH] 1: 25
[11] Muslim bin Hajaj, Sahih Muslim, [Berut: Dar ihya ul turas al arabi] 1:8
[12] Ibn e Rajab, Sharh Ilal Tirmazi, 1: 373
[13] Ibn e Rajab, Sharh Ilal Tirmazi,1:126
[14] Ibn e Abi Hatam, Abdu r Rehman bin Abi Hatam, Al- Marasel, [Berut: Dar Ul Kutub Al Ilmiyah] 7
[15] Ibn e Taimiyah,Ahmad bin Abdu l Haleem, Majmoo Ul Fatawa,[Madinah, Mujma ul Malik,1995AD] 20: 14
[16] Sakhavi, Fath ul Mughes, 1: 350
[17] Khatib Baghdadi, Abu Bakar Ahmad bin Ali, Al- Jame Li Akhalaq al Rawi, [Riyadh: Maktaba al Maarif] 2: 91
[18] Khatib Baghdadi, Abu Bakar Ahmad bin Ali, Al-Kifayah Fi Ilm Riwayah, [Madinah: Maktabah al Ilmiyah] 134
[19] Sakhavi, Fath ul Mughes, 1: 350
[20] Sakhavi, Fath ul Mughes, 1: 350
[21] Nuwavi, Yahya bin Sharaf, Al- Azkar, [Berut: Dar Ul fikr, 1994 AD] 8
[22] Nuwavi, Yahya bin Sharaf, Al- Arbaeen, [Berut: Dar al Minhaj, 2009 AD] 42
[23] Ibn ul Mulaqin, Al-Towzih, 2:67
[24] Jamal ud Din Qasmi, Qawaid ul Tahdis, [Berut: Dar Ul Kutub AL Ilmiyah] 116
[25] Ibn ul Mulaqin, Al-Towzih, 2:87
[26] Ibn us Salah, Al- Muqadimah, 83
[27] Eraqi, Abd Ur Rahim, Sharh ul Tabsirah, [Berut: Dar ul Kutab Al Ilmiyah, 2002 AD]1: 257 1
[28] Ibn e Hajar, Ahmad bin Ali, Al nukat, [Madinah: umadat ul Bahs ul Ilmi, 1984AD] 2:682
[29] Ibn e Hajar , Ahmad bin Ali, Nuzhat ul Nazar, [Demashaq: Matbaat al Sabah, 2000AD] 75
[30] Sakhavi, Fath Ul Mughes, 1: 257
[31] Ibn ul Mulaqin, Al-Towzih, 2:81
[32] Ibn e Hajar, Fath ul Bari , [Berut: Dar Ul Mairifah, 1379 AH] 1: 385
[33] Jalal ud Din Sayuti, Tadreb Ur Ravi, [Berut: Dar tayibah] 1: 383

[34] Ibn e Kaser, Ismail bin Umar , Ikhtesar uloom ul Hadith, [Berut: Dar ul kutab al Ilmiyah] ,99
[35] Nowavi, Al- Taqreb, 1:383
[36] Ibn Salah, Al- Muqadimah, 115
[37] Ibn e Hajar , Fath ul Bari, 1:385
[38] Sayuti, Tadreb Ur Ravi, 1:385
[39] Ibn ul Mulaqin, Al-Towzih, 2:98-99
[40] Ibn e Qayim, Ielam Ul Muwaqeen, 1:25
[41] Ibn e Taimiyah, Al- Misawadah Fi Usool ul Fiqh, [Dar ul Kitab al Arabi] 338
[42] Shafe, Muhammad bin Idres, Al- Risalah, [Misr, Maktab Al Halbi, 1940 AD] 596
[43] Khateb Baghdadi, Ahmad bin Ali, Al-Faqeh wa Al Mutafaqih, [Al Saudia, Dar ibn ul Jowzi, 1421AH] 1:441
[44] Zarkashi, Badr ud Din, Al Bahr ul Muhet, [Dar ul Kutubi, 1994AD] 8:56
[45] Ibn e Taimiyah,Ahmad bin Abdu l Haleem, Majmoo Ul Fatawa,[Madinah, Mujma ul Malik,1995AD] 20: 14
[46] Ibn e Qayim, Ielam Ul Mowaqeen, 4:92
[47] Ibn e Taimiyah, Majmoo Ul Fatawa, 20: 14
[48] Showkani, Muhammad bin Ali, Irshad ul Fahol, [Dar ul kitab Al Arabi, 1999AD] 2/187
[49] Ibn e Taimiyah, Majmoo Ul Fatawa, 20: 14
[50] Ibn ul Mulaqin, Al-Towzih, 2:102
[51] Ibn Salah, Al- Muqadimah, 293
[52] Novavi, al-Taqrib, 2:667
[53] Ibn e Kaser, Ikhtsar uloom el Hadith, 179
[54] Ibn e Hajar, Ahmad bin Al-Isabah Fi Tamez us Sahabah, [Berut, Dar ul Kutab Al Ilmiyah, 1415 AH] 1:158
[55] Ibn e Hajar, Al Isabah, 1: 159
[56] Sayuti, Tadrib ur Ravi, 2:667